تھینک یُو ارسطو!

ڈاکٹر شبنم رضوی

صدر شعبۂ اردو، کرامت حسین مسلم گرلز پی جی کالج، نشاط گنج، لکھنؤ، موبائل: 9415547544

انھیں کچھ ڈھونڈتے دیکھ کر میں پوچھ بیٹھی۔

''کیا ڈھونڈ رہے ہیں جی؟''

''دوا.....''

''کیوں؟ کیا ہوا تمھیں؟''

''کچھ نہیں۔''

''پھر دَوا.....؟

''وہ رام آسرے ہمارے آفس میں چپراسی ہے۔ اس کی بیوی کے لیے یہ دَوا لیے جا رہا ہوں۔ بے چارا غریب آدمی ہے۔ کہاں سے مہنگی دوائیں خریدے گا۔''

''یہ بات تو ہے۔ پر ذرا وقت نکال کر مُنّے کو بھی ڈاکٹر کو دکھا دو! بیچارا کتنے دنوں سے کھجلی سے پریشان ہے۔''

''کوئی کھجلی وُجلی نہیں ہے۔ اسے انڈے سے الرجی ہے..... مت کھلایا کرو انڈے۔''

''ارے نہیں بھئی۔! اُسے صرف انڈے کھانے سے کھجلی نہیں ہوتی۔ جب نہ کھلاؤ تب بھی ہو جاتی ہے۔''

''اچھا اب ہمیں ڈاکٹر کی طرح سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ دن رات ڈاکٹروں کے ساتھ ہی رہتا ہوں۔ سب پتہ ہے سمجھیں!'' یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں حقارت آمیز چمک تیز ہوگئی۔

جب سے یہ میڈیکل ڈپارٹمنٹ سے اٹیچ ہوئے تھے انہیں طرح طرح کے مسائل نے گھیر لیا تھا۔ صبح ڈھیروں دوائیں کھاتے۔ پوچھتی:

''کیا بات ہے؟ طبیعت تو خراب نہیں لگتی! پھر دوائیں اتنی کیوں کھاتے ہیں؟''

''کیا کروں.....؟'' انھوں نے اپنا منھ کھولا ہی تھا دوا ڈالنے کے لیے کہ بیچ میں ہاتھ روک کر بولے: ''ڈاکٹر دوائیں دیتے ہیں تو کھاؤں نہیں؟''

''نہیں بھئی کھایئے۔ آپ تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ زیادہ دوائیں کھانا بھی نقصان دہ.....''

ابھی میں اپنی بات پوری بھی نہ کر پائی تھی کہ وہ بولے:

''اچھا بس! کچن کے کام کرنے میں ہی تم ماہر ہو۔ وہی کیا کرو! ضروری ہے کہ ہر کام میں دخل دو تم!'' وہ ناراض ہو گئے۔

میں خاموشی سے دوسرے کام کرنے لگی۔ سوچتی ہوں نہ بولوں۔ پر دل نہیں مانتا اور زبان سے باتیں تاش کے پتے کی طرح پھسلی چلی جاتی ہیں۔ پھر سوچتی ہوں، شوہر ہے میرا- کوئی کرایہ دار نہیں کہ پہلی تاریخ آئی اور کرایہ وصول کیا اور بس!

ایک روز نہاتے میں کھانسنے لگے۔ رہا نہیں گیا، پوچھ بیٹھی:

''کھانسی کیوں آ رہی ہے؟''

''جی! مجھ سے پوچھ کر نہیں آ رہی ہے۔''

میں ایک دم سٹ پٹا گئی۔ وہ ہمیشہ اُلٹا ہی جواب دیتے ہیں۔

ایک روز دیر سے قریب ساڑھے دس بجے آئے۔

پوچھا:..... ''بڑی دیر لگا دی آنے میں؟''

بولے: ''ساڑھے دس ہی بجے ہیں- کوئی تین تو نہیں بجا۔؟''

''گویا آپ کو یہ بھی ارمان ہے۔'' میں کُڑھ کے بولی۔

میں اس طرح کے جوابوں سے تنگ آ چکی ہوں۔ ہمیشہ الٹا جواب دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ پھر ایسا ہوا کہ مجھ پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ نہ جانے کیا ہوتا کہ ذرا سا زیادہ زور سے بولنے پر کھانسی شروع ہو جاتی اور میری سانس تک رُک رُک جاتی۔ کھانستے کھانستے آنکھوں میں آنسو آ جاتے..... پھر کھانسی روز بروز بڑھتی گئی..... دو رچارسیرپ بھی خرید کر پی لیے، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پھر اڑوس پڑوس والے بھی کہنے لگے..... بھئی ڈاکٹر کو دکھاؤ- تمھیں کھانسی بہت آتی ہے۔'' میری پڑوسن تھوڑا شرمندہ ہوتے ہوئے بولیں:

''میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ مجھے نیند میں ڈسٹرب ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کھانسی اگر ایک مہینے سے زیادہ رہے تو ٹی بی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔''

''ہاں! وہ تو روز ہی کہتے ہیں چلو دکھالاؤں۔'' میں نے صاف جھوٹ بولا۔ ''پر مجھے ہی فرصت نہیں ملتی۔''

پڑوسن دیر تک بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں اور میرا دماغ طرح طرح کی سوچوں سے الجھتا رہا۔ پھر وہ چلی گئیں لیکن میں اسی طرح بیٹھی سوچتی رہی۔ پھر مجھے لگا جیسے سوچنے کی بیماری لگ گئی ہے۔ ہر بات میں مختلف قسم کے پہلو نکال کر بس سوچا ہی کرتی ہوں۔

''میری کھانسی کیا انہیں سنائی نہیں دیتی؟ کیا وہ مجھ سے اتنی دوری پر رہتے ہیں جہاں انہیں میرے درد کا احساس نہیں ہوتا.....اس طرح ساتھ رہنے سے کیا فائدہ! ابھی تین ہی برس تو ہوئے ہیں شادی کو اور ابھی سے یہ الگاؤ۔ وہ کیسے منھ موڑ کے سوتے ہیں۔ روز روز ٹوکنے پر وہ اکثر کھسیا جاتے ہیں۔ رات کے کسی پہر ان کا موڈ بنتا ہے۔ میں جان بوجھ کر نہیں جاگتی۔

''کم بخت لاش ہے بالکل''.....

میں بھی غصّے سے جلی بھنی پڑی رہتی ہوں.....کبھی کبھی تو وہ میرے جاگنے کا بھی انتظار نہیں کرتے.....لیکن میں..... بڑے مزے میں چھت پر لگے مکڑی کے جالے کو تکتی رہتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ یہ رشتہ بھی بالکل مکڑی کے جالے جیسا ہے۔

''بھئی بس کرو۔'' انھوں نے میری کھانسی کی آواز سے عاجز آ کر کہا۔ کھانسی رُکی نہیں۔ میرا منھ لال ہو رہا تھا۔ میں نے بیچ ہی میں کہا:

''کیا کروں۔ رُکتی ہی نہیں۔'' اور پھر کھانسنے لگی۔

''اچھا اٹھ کے بیٹھو۔ لیٹنے سے تو اور بھی کھانسی آئے گی''..... میں سعادت مند بیوی کی طرح اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اندھیرے میں چمکتی ان کی آنکھیں بڑی وحشی لگ رہی تھیں۔ میں نے دوا ہاتھ میں لے لی، لیکن نظریں انھیں پر جمی ہوئی تھیں۔ میں ان آنکھوں میں اپنے لیے اپنائیت تلاش کر رہی تھی۔ محبت کے جذبات تلاش کر رہی تھی.....میں نے سوچا یہ کریں گے، وہ کریں گے.....یہ کہیں گے وہ کہیں گے.....

''اونہہ!'' میں نے اپنا شانہ اُچکایا۔ یہ انتظار میں تین سال سے کر رہی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں انتظار کیوں کر رہی ہوں.....؟ انھوں نے کبھی ویسا کچھ نہیں کیا جیسے 'نئے کپل' کو کرنا چاہیے۔

''چھوڑو یار۔'' میں نے اپنے آپ کو سمجھایا۔

مجھے پرسوں کی باتیں یاد آ گئیں۔ وہ اپنے ایک کولیگ کی شادی کے بعد اس کے ہنی مون اور پرلطف زندگی کا قصہ بتا رہے تھے.....مگر خود عمل کیوں نہیں کرتے اس پر.....

ایک روز آفس سے آئے۔ کرسی پر بیٹھ کر جوتا اتارا۔ موزا اس میں ٹھونسا اور پیر پھیلا کر ریموٹ سے ٹی وی آن کیا اور بولے:

''مجھے رشتہ پسند نہیں!''؟

''کون سا رشتہ.....؟'' میں نے پوچھا۔

''ماں، باپ، بھائی، بہن، رشتے ناتے.....وغیرہ وغیرہ''

میں نے ان کی بات کاٹتے ہوئے لقمہ دیا.....''بیوی، بچے.....؟''

''ہاں-ہاں۔ سچ کہتی ہو تم؟ تمھیں ان رشتوں سے بُو نہیں آتی۔؟''

انھوں نے ناک سکوڑ کر سڑاند سونگھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

''نہیں، بالکل نہیں! یہ رشتے تو میری زندگی کو روشن کرتے ہیں۔ طاقت دیتے ہیں۔ سہارا بنتے ہیں۔ مجھے کوئی دقّت نہیں ہوتی ان رشتوں سے، مگر تم تو سارے جہاں سے، نہیں نہیں''..... میں نے اپنی ہی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''سارے جہاں سے نہیں، صرف اس رشتے سے جو میرے آپ کے بیچ ہے، بور ہو جاتے ہیں۔ اور دوست.....''

''دوست۔'' انھوں نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''دوست نعمت ہیں۔ سمجھیں!''

میں نے کہا: ''تبھی تو آپ گھر پر آتے ہی ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔''!

''گھر کا ماحول تم نے خراب کر رکھا ہے۔''

''اچھا.....؟ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اسی طرح گھر کا ماحول بھی دونوں سے اچھا بنتا ہے۔''

''گھر کا ماحول اچھا رکھنے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ یعنی بیوی کی۔''

''کیوں؟ کیا گھر میں اکیلی میں ہی رہتی ہوں۔؟''

''نہیں.....آپ کا یہ شوہر نامدار بھی رہتا ہے۔'' انھوں نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''پھر.....! ماحول حرف میں ہی نہیں سُدھار سکتی۔ کیونکہ آپ ہمیشہ میرا موڈ خراب کر دیتے ہیں۔''

''تمہارا موڈ ہی سڑے انڈے جیسا ہے'' انھوں نے تیکھا جواب دیا۔

''نہیں۔ دراصل آپ چاہتے ہی نہیں کہ میں خوش رہوں۔ سکون سے رہوں تبھی تو.....'' میں اچانک خاموش ہو گئی۔

''تبھی تو کیا۔؟'' وہ کچکچا کے بولے۔ ''بولو بولو!''

''تبھی تو آفس جاتے جاتے میرا موڈ خراب کر جاتے ہو اور آفس سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں خوش نہیں ہوں گی دیر سے آنے پر، مگر دیر سے ہی آتے ہو۔ کیونکہ تمھیں پتہ ہے کہ جب میرا موڈ خراب رہے گا تو میں گھر ہی میں پڑی رہوں گی، نہ کہیں آؤں گی نہ کہیں جاؤں گی۔ نہ کسی سے ملوں گی، نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی.....دراصل یہ سب تم لوگوں کی چال ہوتی ہے۔ گھر کا ماحول بگاڑنا، بیوی کو جھگڑالو بنانا۔ بات ہی بات میں ایسا کچھ

کہہ جاؤ گے جو کئی روز تک مجھے پاگل بنائے رکھے گا۔ اسی میں فائدہ ہے۔ میں نے تنک کر جواب دیا۔

''کیا فائدہ ہے.....؟ بولو بولو''۔ انھوں نے مجھے بولنے کے لیے اکساتے ہوئے کہا۔

''ہزاروں.....''

''جیسے.....؟''

''نہ ہم خوش رہیں گے نہ گھومنے پھرنے جائیں گے، نہ فرمائش کریں گے۔'' اب ان کا موڈ خراب ہونے لگا تھا، چنانچہ میں خاموش ہوگئی۔

وہ تین سال میں تین ہزار بار تو ضرور ناراض ہو چکے ہوں گے۔ منھ پھلائے گھوما کرتے اور یہ امید رکھتے کہ کوئی انہیں منائے۔ میں مناتی ہوں، مگر میرے منانے سے وہ بور ہو چکے ہیں۔ اب انہیں نئے نئے لوگوں کے ذریعہ منایا جانا پسند ہے۔ وہی بات میں کہوں تو ناگوار گزرتی ہے کوئی دوسرا کہے تو اس سے بڑا ہمدرد کوئی نہیں۔ وہ اپنے آپ میں اتنا بکھرے ہوئے ہیں کہ سمیٹنا مشکل ہے۔ وہ سمٹ بھی نہیں سکتے۔ یا یوں کہئے سمٹ کے چھوٹا ہونا گوارا نہیں۔ انھوں نے دوست سے دوستی نبھانے کے چکر میں بیوی بچے سب کو داؤ پر لگا دیا۔

ہر انسان جناب کا دوست ہے۔ ہر ایک سے آپ خفا ہیں۔ ہر ایک سے آپ کو شکایت ہے۔ ہر ایک سے امید ہے۔ جہاں امید لگانا چاہیے وہاں نہیں لگاتے۔ بیوی سے انہیں کوئی امید نہیں۔ باہر ہر ایک سے جناب نے امید لگا رکھی ہے۔ وہ ہنستی نہیں..... وہ بولتی نہیں..... فلاں موٹی ہے..... فلاں ناٹی ہے۔ میں کہتی ہوں، جیسی بھی ہو- آپ سے مطلب؟..... مگر نہیں، انہیں دنیا کے ہر انسان، ہر چیز سے مطلب ہے۔ خاص طور سے ان چیزوں سے جن سے مجھے چڑھ ہے۔ وہ چیز وہ ختم نہیں کر پاتے اور ہم سے امید لگاتے ہیں کہ میں ناراض نہ ہوں۔ خوش اخلاق رہوں۔ مجھے ہر دوست سے خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے چاہے وہ لڑکی ہو یا لڑکا، بوڑھا ہو یا بچہ۔ جوان لڑکوں سے وہ دوستی نہیں کرتے۔

دوست ایک آدھ ہی ہوں اور اچھے ہوں تو انسان کی پہچان بنتی ہے مگر یہاں تو جو ذرا مسکرایا جس نے مسکا لگایا، چاپلوسی کی، اپنا کام نکالنے کے لیے الّو بنایا، جناب نہایت خوش ہو جاتے ہیں۔ میں کہتی ہوں ہر ایک کے لیے اتنا ارزاں کیوں کر دیا ہے اپنے آپ کو۔؟

جواب ملتا ہے: ''انسان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔''

ہر چھ مہینے بعد ان کے دوست بدل جاتے ہیں۔ بالکل فیشن کی طرح نئے نئے لوگوں سے دوستی کرنا ان کی عادت ہے۔ میں ان کی چال ڈھال، رہن سہن، خیالات اور بات چیت سے اندازہ لگا لیتی ہوں کہ ان کے دوست بدل گئے ہیں..... مجھے وحشت ہوتی ہے گرگٹ کی طرح اس چوغا بدلتے کردار سے۔ میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ وہ سیدھے ہیں یا ٹیڑھے۔ جھگڑالو ہیں یا بھولے بھالے۔ مکار ہیں یا شریف..... کردار میں اتنا تضاد میں نے اپنی زندگی میں کہیں نہیں دیکھا۔ رات کو گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں۔ صبح ذرا زیادہ زور سے بول دیا تو وہ تہذیب کے خلاف ہو جاتا ہے۔ وہ مار پیٹ، گالی گلوچ کے بعد منھ لٹکائے، آنکھیں نیچی کر کے سیدھے بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ بالکل معصوم نہایت بھولے بھالے انسان.....!! اس کردار کی صحبت میں آ کر مجھے سیدھے لوگوں سے وحشت ہونے لگی ہے۔ سچائی پر سے بھروسہ اٹھ گیا ہے۔

میں ان کے ملنے والوں سے ملتی ہوں تو وہ بڑی عجیب عجیب باتیں بناتے ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ آنکھیں پھاڑے سنتی رہتی ہوں۔ ان کے جاننے والے انہیں گالی تک دے دیتے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں، دوستی کے لیے گھر سے جھگڑا کیا اور دوست بھی نہیں رہے۔ کیسا بدقسمت انسان ہے۔ گھر کی قدر نہیں کرتا، باہر قدر نہیں ہوتی۔ وہ دوستی کے لیے لوگوں کو گلے میں تعویذ کی طرح لٹکا لیتے ہیں اور خود بھی لٹک جاتے ہیں۔

ایک روز میں ان کے آفس گئی۔ وہ نہیں تھے، میں بیٹھ گئی۔ ایک عورت تھیں، رہی ہوں گی چالیس کے لپیٹے میں۔ معمولی چہرا مہرا، موٹا بدن، بھدّی آواز۔ بات بات پر آنکھیں تیر جاتیں۔ میں خاموشی سے بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ آ کر پاس بیٹھ گئی۔

''آپ مسز خان ہیں۔؟''

''جی!'' میں مسکرائی۔

''بھئی بڑے جھکّی ہیں آپ کے شوہر..... جب دیکھو روٹھے رہتے ہیں۔ بات بات پر منانا پڑتا ہے۔''

''اچھا تو یہ ڈرامہ یہاں بھی چلا رکھا ہے.....'' میرا دماغ ادھر ادھر دوڑنے لگا۔

''کل تو اتنا خفا تھے کہ پوچھو مت۔ گھنٹوں ادھر ادھر کی باتیں کیں، اچھی اچھی کتابیں دکھائیں۔ ہمارے کئی دوست آ گئے تھے ان سے ملوایا..... ہم لوگوں نے انہیں خوب چھیڑا تو نارمل ہوئے۔ عجیب سنکی انسان ہے۔ کیسے رہتی ہیں آپ ان کے ساتھ۔؟ نبھ بھی پاتی ہے.....؟'' انھوں نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

''ایک روز ہم کناٹ پلیس جا رہے تھے، پیچھے لگ لیے۔ میں نے کہا: بھئی غیر مرد کے ساتھ جانے میں مجھے جھجک ہوتی ہے مگر وہ بالٹی کے ساتھ

مگ کی طرح لٹک لیے۔ پر بعد میں انھوں نے بڑا مزا کیا۔ کافی ہاؤس لے جا کر کافی پلوائی۔ آئس کریم پارلر سے آئس کریم کھلوائی۔ میں منع کرتی رہی، پر وہ ماننے والے کہاں تھے.....''!

وہ محترمہ بتائے ہی چلی جا رہی تھیں۔ ہاں وہ دوسروں کی زندگی میں اسی طرح گھس پیٹھ کرنا چاہتے ہیں۔ دوسروں کو سمجھنے کے لیے وہ کوئی بھی بیوقوفی کر سکتے ہیں۔ دوسروں کو سمجھنے کی کوشش کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ ہاں وہ امربیل کی طرح ہیں، جس پیڑ پر چڑھ جائے نیست و نابود کر دے۔

''کیا ہے رام آسرے۔؟'' ایک چپراسی نما آدمی سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''میڈم آپ نے بیل بجائی تھی۔؟''

''ہاں ہاں، مسٹر خان کو بلا لاؤ۔''

''تو یہ ہے رام آسرے۔'' میں نے اسے جی بھر کے دیکھا۔ کیسا خوش قسمت ہے وہ جس کے خاندان کے لیے وہ مرے جاتے ہیں۔ وہ نہیں آئے اور میں اس عورت کی باتیں سن سن کے اکتا کر گھر لوٹ آئی اور دیر تک سوچتی رہی۔

صبح وہ بولے تھے: آج جلدی جانا ہے۔ رام آسرے کی بیوی کا ایکس رے کرانا ہے۔''

''تم فسوٹ کھاتی ہونا! اور شیشیاں کہاں ہیں.....؟'' انھوں نے دوا کی ساری الماری الٹ پلٹ کر ڈالی۔

''کیوں؟'' میں کچن سے ہی بولی۔

''ارے وہ رام آسرے کو چاہیے تھی۔''

''بھئی میں خرید کے لائی ہوں۔ ایک تو کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ ہماری بھی دوائیں لا دیں۔ کب سے کھانسی آ رہی ہے۔

''ارے ہاں یار، بس اگلے ہفتے دیکھو.....''

وہ ہمارا علاج بس اگلے ہفتے ہی کراتے رہ جاتے اور بیماری شرمسار ہو کر خود بخود بھاگ جاتی لیکن یہ کھانسی بھی جیسے ان کا امتحان لے رہی تھی۔ دیکھو انہیں ہم پر کب ترس آتا ہے۔

میں دیر تک سوچتی رہی کہ وہ کون لیڈی تھی جس نے پاگل، جھکّی، سنکی سب کچھ بنا ڈالا میرے پیارے شوہر کو۔ بھئی جیسا بھی ہے میرا ہے، آپ اپنا وقت کیوں ضائع کرتی ہیں۔ میں کہوں تو کوئی بات بھی ہے۔ دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے بُرا بھلا کہنے کا۔ پھر چلتے چلتے یہ بھی کہہ گئی.....

''شادی شدہ لوگوں کو دیکھ کر ترس آتا ہے اسی لیے میں نے شادی نہیں کی۔''

میں اُلجھ گئی اور فرسٹریٹیڈ وومن کہہ کر رہ گئی۔

شام کو وہ جب آفس سے آئے تو پوچھا:

''تم آفس گئی تھیں۔؟''

''ہاں!''

''کیوں۔؟''

''آپ کی جاسوسی کرنے۔'' میں نے جل کر کہا۔ یہ نہیں پوچھا کہ کیا مصیبت آن پڑی جو تمھیں آفس جانا پڑا۔

'کر لی جاسوسی؟''

''ابھی پوری نہیں ہوئی۔'' میں نے جلانے کے لیے کہا۔

''کب پوری ہوگی۔؟''

میں نے بات ٹالتے ہوئے آفس والی عورت کی کہانی بتائی۔ وہ خاموش رہے۔

''آپ کو غصہ نہیں آتا.....؟''

''نہیں!''

میں کچھ نہیں بولی۔ بس باتھ روم جا کر بلاوجہ فلش کا پانی کھینچ دیا۔ ایک بار دھڑ دھڑ کی آواز آئی اور میں دوسرے کاموں میں لگ گئی۔ وہ حسبِ عادت خفا.....

میں نے سوچا یہ بچپن کی کجی ہے۔ کاش والدین نے انہیں روٹھنے پر منع کیا ہوتا، ڈانٹا ہوتا تو آج اس فرسٹریٹیڈ وومن کے منھ سے ان کے لیے ایسی باتیں سننے کو نہ ملتیں۔ خود شادی نہیں کی، اس لیے جلتی ہیں شادی شدہ لوگوں سے۔ رات کو سونے سے پہلے انھوں نے ماچس سگریٹ تکیے کے نیچے سے نکال کر سگریٹ جلائی۔

مرد آگ جیسے خطرے کو بھی سر کے پاس رکھ کر سوتے ہیں، وہ تو رات میں بھی سگریٹ نہیں بجھاتے، ایش ٹرے میں جلتی سگریٹ چھوڑ دیتے۔ میں ان کی اس عادت کی مثال ان کے بنائے ہوئے رشتوں سے دیتی ہوں۔ وہ کسی بھی رشتے کو ختم نہیں کرتے، سب کچھ اپنے آپ ختم ہونے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہر چیز کی اپنی ایک نیچرل ڈیتھ ہوتی ہے۔

میں جب کبھی بھی کسی نئے دوست سے ملتی ہوں تو ہیلو، ہائے کے بعد سب سے پہلے وہ یہی کہتا ہے کہ ''بھابھی! کبھی فرصت میں ملیں گے تب بتائیں گے آپ کے شوہر کی کارستانی۔'' میں سوچتی کاش کوئی ایسا بھی ملے جو کارستانی سنائے بغیر تعریف کر جائے.....!!

کوئی ان سے ملنے آئے۔ گالی دے، لو لیٹر لکھے، فون کرے، مکّار کہے، شاعری کرے، گھمائے پھرائے۔ وقت ضائع کرے۔ گفٹ دے،

گفٹ لینا چاہے تو لے بھی لے۔ انہیں ہزار بُرا لگے کبھی وہ منع نہیں کر سکتے۔ آپ انہیں گھنٹوں چاٹ سکتے ہیں، بور کر سکتے ہیں۔ وہ سر جھکائے نہایت سعادت مند بچے کی طرح سب کچھ سُن لیتے ہیں۔ عجب کردار کا آدمی ہے یہ۔ میں تو سوچ سوچ کے پاگل ہو جاتی ہوں۔ کیسے وہ ہر ایک کے گلے میں تعویذ کی طرح لٹک جاتے ہیں اور دوسروں کو لٹکا لیتے ہیں۔ یہ کبھی کسی کو منع کیوں نہیں کرتے، انکار کیوں نہیں کرتے؟ گھر میں خوش کیوں نہیں رہتے؟ کوئی بھی راہ چلتا رشتہ ختم کیوں نہیں کرتے؟ ان کے بچپن کی پرورش میں کہاں کسر رہ گئی تھی جسے وہ بعد تک جھیل رہے ہیں۔ تبھی تو فرائڈ کہتا ہے:

''بچپن ہی انسان کی بنیاد ہے۔ جوانی اور بڑھاپے کی عمارت اسی پر بنتی ہے۔''

وہ اکثر اپنے بچپن کی باتیں بتاتے۔ میں ان کا حل کھوجتی، پر تیس برس کی کثافت کیا تین سال میں صاف ہو سکتی ہے۔؟

ان کی ایک اور عادت ہے۔ ہر ایک سے نہایت خلوص سے پیش آتے ہیں۔ یہ خلوص بے وقوفی کی حد تک پھیل جاتا ہے۔ ہر دوسرے تیسرے روز وہ کہتے:

''یار فلاں بے وقوف بنا کر کام نکال گیا۔''

میں کہتی۔ ''تم اتنی فریادیں کیوں کرتے ہو؟''

''بس شکایت.....''!

یہی آتا ہے تمھیں۔ انھوں نے خفگی سے کہا۔

''ارے یہ شکایت نہیں بات ہے۔'' میں نے صفائی دی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا تمھیں مجھ سے اتنی شکایت کیوں ہے؟''

''کیوں کہ آپ..... کچھ نہیں.....'' میں اکدم سے خاموش ہو گئی۔

''نہیں بھئی بتاؤ۔'' انھوں نے زور دے کر کہا۔

''کیا کہوں۔؟''

''کچھ بھی.....'' انھوں نے پچکارا۔ ''بھئی مجھ سے جو چاہے کام کروا سکتا ہے۔ میں تو سب کے لیے کھلی کتاب ہوں۔ تم دیکھتی ہو لوگ کیسے کیسے کام مجھ سے کروا لیتے ہیں۔ تم کیوں نہیں کرا پاتیں۔؟''

''میں تمہاری بیوی ہوں۔ دو پل کی ساتھی نہیں کہ آؤں بیٹھوں، میٹھی میٹھی باتیں کروں، تمہاری چمچہ گیری کروں اور کام نکلوا کے چلتی بنوں۔''

''اچھا! تو تم سمجھتی ہو کہ لوگ ہمیں بے وقوف بنا کر کام نکال لیتے ہیں۔''؟

''بالکل!'' جو جتنا بے وقوف بنا لیتا ہے وہ تم سے اتنا فائدہ اٹھا لیتا ہے۔'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''جی نہیں! جب تک میں نہ چاہوں کوئی مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔''

''اچھا۔ آپ خود بے وقوف بنتے ہیں۔''

''تم اپنی ناکامیابی میرے اوپر تھوپ دیتی ہو۔''

''ناکامیابی۔؟'' شوہر کو بے وقوف بنا کر کام نکلوانا کامیابی ہے تو ایسی کامیابی کو سلام۔'' میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''دنیا مجھ سے خوش ہے۔ سارا ڈیپارٹمنٹ، سارے دوست.....نہیں خوش ہیں تو بیوی۔'' انھوں نے جھلا کر کہا۔

''بیوی کے حصہ کی ہنسی، بیوی کے حصے کی زندگی، بیوی کے حصہ کا پیار تم غیروں کو بانٹو گے تو وہ تو خوش ہوں گے ہی۔ دوسروں کو جو دیتے ہو۔ میرا حق مار کر۔''

''حق! بیوی کا حق۔؟''

''بالکل۔''

''کیا حق ہوتا ہے۔''

''چوکیداری کرنا، پلو میں باندھنا وغیرہ وغیرہ''۔ انھوں نے آنکھیں مٹکائیں۔

''جی نہیں۔ اگر ہم مارے محبت کے آپ کی دفتری زندگی کی الجھنوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ سوچتے ہیں۔''

ان کا موڈ خراب ہونے لگا تھا۔ میں بھی روز روز کی کچ کچ سے تنگ آ گئی ہوں۔ خاموشی اب میری سانسوں میں بس گئی ہے۔ میری آنکھوں میں پانی۔ جی ہاں میں اپنے آنسوؤں کو پانی کہنے لگی ہوں۔ جہاں آنسو بہانے والا ہو، پوچھنے والا نہ ہو، وہاں آنکھوں سے آنسو نہیں پانی بہتا ہے۔ آنسو تو صرف قدر دانوں کے سامنے ہی نکلتے ہیں۔

ایک روز آفس سے آتے ہی بولے: آج عجیب واقعہ ہوا۔

میں متوجہ ہو گئی۔ ''ہوں۔''

''آج ایک خط ملا تھا..... میری طبیعت خراب ہے۔ ڈاکٹر کو دکھانا ہے آپ آ جائیے۔''

''خط۔'' میں نے بھوئیں تان کر کہا: کس کا تھا؟

''ارے وہی مِس شرما کا تھا۔''

''کون مس شرما؟''

''موٹی سی، ناٹی سی۔ ارے وہی.....''

''ہاں ہاں۔ اچھا وہ مجھے یاد آ گئی۔ وہی عورت؟''

''ہاں وہی۔''

''پھر؟''

''میں گیا۔ چلو بھئی دکھا دیں.....''

''اور کیا.....کوئی بیوی تو تھی نہیں کہ اگلے ہفتے دکھانے کا وعدہ کر کے ٹال دیا جائے۔''میں نے طنزیہ کہا۔

وہ سٹ پٹا گئے۔''اونہہ! اس وقت بھی اپنی بیماری لے کر بیٹھ گئیں.....کیا یار، بیچ میں بول کے بات کا مزا کرکرا کر دیتی ہو!''

وہ روٹھ گئے۔ میں نے سوچا لو بات ختم کرنا تو کوئی بات نہیں ہے۔ سُن ہی لیتی! آج حضور نے کون سا تیر مارا ہے۔

''ارے اتنی جلدی خفا نہیں ہوتے۔ میں نے نہایت بے دلی سے انھیں منایا اور وہ مان بھی گئے۔''بولو نا کیا ہوا پھر.....؟''

..... جب ہم لوگ ڈاکٹر کے یہاں جانے کے لیے روانہ ہوئے تو وہ ہم سے دس ہاتھ کی دُوری پر چل رہی تھی۔ میں نے کہا، ساتھ چلو تو بولی:

غیر مردوں کے ساتھ چلنا مجھے پسند نہیں۔''

''اور کناٹ پلیس چلی جاتی ہیں تمہارے ساتھ!''میں نے لقمہ دیا۔

انھوں نے مجھے گھور کے دیکھا۔

''تو پھر کیا ہوا.....؟''

'ہوتا کیا! میں انہیں ڈاکٹر سے ملوا کے دور کھڑا ہو گیا۔

''ارے چلے آتے۔ جس کو تمہارے ساتھ چلنا منظور نہیں اس کا انتظار کیوں؟ پھر وہ کون تمہاری رشتہ دار تھی۔ اسے میڈیکل کا کارڈ تھما دیتے۔ آپ کو تو سبھی ڈاکٹر جانتے ہیں، دکھا آتیں۔''

''اجی ہاں۔ بڑی پاکیزہ بنتی ہیں۔ کئی بار گھمانے کی فرمائش کر چکی ہیں۔ تب نہیں۔ ڈاکٹر کے یہاں جانے میں نانی مرتی ہے.....'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔ ان کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ اب دو ہی باتیں انہیں خوش کر سکتی تھیں۔ ایک تو کوئی دوست دماغ چاٹنے والا آ جائے، یا کوئی میٹھی میٹھی بات فون پر کرے۔!

ہاں۔ بقول ان کے وہ بہت ایماندار ہیں۔ شریف ہیں، نیک ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اچھی بُری سب باتیں صاف صاف بتا دیتے ہیں۔

ان کی صاف باتوں کا ذکر کیسا سا زہریلا ہوتا ہے۔ ان کی باتیں سُن کر معلوم ہوا۔ مجھے لگتا ہے، اگر مکّاری کرنا ہو تو کبھی سچ نہیں بولنا چاہیے۔ اسی لیے ان کے سچ سے بہت جان جلتی ہے۔ اب بہت ٹینشن رہتی ہے۔ رات رات بھر جاگتی رہتی ہوں اور پھر اس فون نے ہماری راتوں کی نیند حرام کر دی ہے۔ روز رات میں کبھی ایک کبھی دو۔ کبھی کسی بھی وقت ایک کھٹکے سے آنکھ کھلتی ہے، دیکھتی ہوں۔ فون کا چوغا منھ سے چپکا ہے۔ پھُسر پھُسر باتیں- خاموش قہقہے ہمیں پریشان کرتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہاں میرے پیار میں کسر رہ گئی۔ کہاں چوک رہ گئی ہیں گھر بناتے بناتے.....کہاں پر کون سا حصہ کمزور رہ گیا کہ کوئی بھی ہمارے گھر، ہمارے وقت میں سیندھ لگا کر گھس آتا ہے۔ شاید میں چوکیداری ٹھیک سے نہیں کر پاتی، یا پھر گھر کے مالک کی ہی کمزوری ہے۔ اس نے گھر میں ایک چور دروازہ اپنے لیے کھول رکھا ہے۔ میں لڑتی ہوں، جھگڑتی ہوں، سر دھنتی ہوں، سمجھاتی ہوں، پیار کرتی ہوں، ذمہ داری بتاتی ہوں، بچوں کو گھر کی اہمیت سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں مگر سب ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکل جاتا ہے ان کے.....پھر فون! ان ہی سب کی وجہ سے مجھے مائگرین کا درد شروع ہو گیا۔ شام ہوتے ہی یہ درد سر سے بڑھ کر پورے جسم میں پھیل جاتا ہے۔ جسم کے چپّے چپّے پر قبضہ کر لیتا ہے۔ میں رات آنے سے ڈرنے لگی ہوں۔ رات کی تنہائی گھر میں کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ حلق نہ جانے بار بار کیا سوچنے سے کڑوا ہو جاتا ہے۔ جیسے دھتورے کے کانٹے اُگ آئے ہوں۔ پیروں میں لرزش ہونے لگتی ہے۔ ہاتھ فون کی گھنٹی بجتے ہی ساکت پڑ جاتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں صرف سوچتی ہوں۔ دن بھر اپنے خوف کے اجگر کو دور بھگائے رکھتی ہوں، پر رات آتے ہی وہ اجگر گھیر لیتا ہے۔ میں رات کا سفر تنہا طے کرتی ہوں۔

میں دیر تک ان کے کردار کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہ گئی۔ اکسپیری منٹل لائف (Experimental Life) جینے کے ان کے انداز کے بارے میں گہرائی سے سوچتی ہوں۔

میں سوچتی ہوں میں خودکشی کیوں نہیں کر لیتی۔ بہت سی عورتیں تو کر لیتی ہیں۔ کیا میں بزدل ہوں۔ بھاگ کیوں نہیں جاتی سب موہ مایا چھوڑ کر، جتنی توجہ میں ان پر دیتی ہوں، اپنے کیریئر پر دیتی تو، شاید ایک مقام تو مل ہی جاتا، مگر نہیں، مجھے تو ان پر ریسرچ کرنے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ جیسے ریسرچ اسکالر ہر وقت اپنے موضوع کے بارے میں کھوج بین کرتے رہتے ہیں۔ وہی سب کچھ سوچتے رہتے ہیں۔ میں بھی بس ایک ہی کام کرتی ہوں۔ یہی سب سوچتے سوچتے میں کب سو گئی، پتہ بھی نہیں چلا۔

صبح الارم کی آواز کے ساتھ آنکھ کھلی۔ رات کی باتیں دماغ میں پھر کی کی طرح گھوم رہی تھیں۔ میں نے انگڑائی لی۔ مجھے ارسطو کی کتاب ''بوطیقا'' کا ایک قول یاد آ گیا:

''شادی ضرور کرنی چاہیے، اگر ساتھی اچھا ملا تو جنت کا مزہ ملے گا۔ اچھا نہیں ملا تو تم تتو گیانی (فلاسفر) بن جاؤ گے۔''

میں مسکرا اٹھی انہیں دیکھ کے۔ تتو گیانی بننے کا سودا بھی بُرا نہیں۔

تھینک یو ارسطو!!

◆◆◆